© rasailojaraid.com

نظام بیمہ و تکافل اسلامی

ڈاکٹر محمود احمد غازی

اسلام کا نظام تحفظ و کفالت

ہمارے ہاں اب تک بیمہ اور انشورنس پر اسلامی نقطہ نظر سے جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو آراء بھی بیمہ کے شرعی پہلو پر دی گئی ہیں وہ سب بیمہ کے رائج الوقت طریقوں اور اداروں کو سامنے رکھ کر دی گئی ہیں۔ جن حضرات نے بیمہ کو سرے سے ناجائز قرار دیا انہوں نے اس لئے اس کو ناجائز کہا کہ رائج الوقت طریقے اور ادارے بہت سی غیر اسلامی سرگرمیوں میں مبتلا ہیں۔ جن حضرات نے بیمہ کے نظام کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کی کوشش کی، انہوں نے موجودہ طریقوں ،تدبیروں اور اداروں کو جوں کا توں قبول کر کے ان میں جزوی اصلاحات اور تبدیلیوں سے کام چلانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس طرح کی جزوی تبدیلیاں نہ بیمہ کے خالص فنی اور معاشی پہلو کو مطمئن کر سکیں اور نہ اس سے شریعت کے احکام کی مکمل پابندی برقرار رہ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ بیمہ کے جتنے متبادل خاکے تیار ہوئے وہ اکثر صورتوں میں اسلامی اور معاشی یا فقہی اور فنی دونوں اعتبار سے نا قابل قبول قرار پائے۔ بعض صورتوں میں اگر فنی تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو شریعت کے احکام کی پاسداری نہ ہو سکی اور اگر شریعت کے احکام کا لحاظ رکھا گیا تو فنی تقاضے مجروع ہوئے۔ (واضح رہے کہ مضمون مفتی صاحب نے برسوں پہلے لکھا تھا)

یہ الجھن غالبا اس لئے پیدا ہوئی کہ بیمہ کے اصل مقاصد کو سامنے رکھ کر ان کی تکمیل کے لئے نئے ادارے تجویز کرنے کے بجائے پرانے اداروں کی اصلاح و ترمیم کو مسئلہ کا حل سمجھا گیا اور بیمہ کے مقاصد پر یا تو بالکل توجہ نہیں کی گئی یا ان کی حیثیت ثانوی رہی۔

ہم نے اس طریقہ کار سے ہٹ کر اصل بنیاد، مقاصد کو بنایا ہے۔ پہلے بیمہ کے رائج الوقت مقاصد کا جائزہ لے کر یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ خود یہ مقاصد شریعت میں کس حد تک قابل قبول ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پھر جو مقاصد شریعت میں قابل قبول ہیں ان کی تکمیل کے لئے اسلامی شریعت میں کیا ہدایات دی گئیں ہیں اور ان ہدایات کی روشنی میں وہ کیا طریقے ہیں جن کو اپنا کر ہم شریعت اسلامی کے احکام کے مطابق دور جدید میں ان مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں۔

بیمہ سے متعلق لٹریچر اور مطبوعہ مواد کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بیمہ کے مقاصد عام طور پر درج ذیل آٹھ امور سے تعلق رکھتے ہیں۔ پاکستان میں بیمہ کی مختلف کمپنیاں اور ادارے جو کچھ کر رہے ہیں اس کے پیش نظر اور جن محرکات و ترغیبات کی وجہ سے لوگ مختلف بیمہ کمپنیوں کی پالیسیاں خریدتے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم پاکستان میں رائج الوقت بیمہ کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

پاکستان میں رائج الوقت بیمہ کے اہم مقاصد

۱۔ ناگہانی حادثات کی صورت میں معاشی نقصان سے بچاؤ۔

۲۔ گھر کے کسی فرد یا کسی ادارے کے رکن کی اچانک موت کے نتیجہ میں پسماندگان کی ضروریات کا بندوبست۔

۳۔ زندگی کے بیمہ سے متعلق شائع شدہ اشتہاری مواد کی رو سے بیمے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اس خطرے کا سدباب کیا جائے جو مورث کی موت واقع ہونے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے یعنی متوفی کے بااثر ورثاء اس کی کل جائیداد پر قابض ہو جاتے ہیں اور کمزور اور بے اثر ورثاء (یعنی نابالغ بچوں، بیوہ خواتین وغیرہ) کو ان کے حق سے محروم کر دیتے ہیں۔

۴۔ اچانک پیش آمدہ کسی مالی ذمہ داری یا تاوان کی ادائیگی کا پیشگی انتظام۔

۵۔ آئندہ پیش آنے والی ناگزیر ضروریات مثلاً ریٹائرمنٹ کے بعد تعمیر مکان، بچوں کی تعلیم، اولاد کی شادی، سفر حج وغیرہ کے لئے رقم کی فراہمی کا پہلے سے بندوبست۔

۶۔ بین الاقوامی مارکیٹ، بازارِ زر، اسٹاک ایکسچینج وغیرہ میں یکایک کسی اتار چڑھاؤ کے نتیجہ میں غیر متوقع طور پر ہونے والے کاروباری نقصان کی پیش بینی اور مناسب پیشگی بندوبست۔

۷۔ سرمایہ میں اضافہ۔

۸۔ سرمایہ کا تحفظ۔

☆ اهجر المنبهات والاكثار منها كالشاهي والقهوة وابتعد عن التدخين والشيشة وغيرها. ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئندہ صفحات میں ان مقاصد کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیا جارہا ہے کہ کیا شریعت اسلامیہ ان مقاصد کو تسلیم کرتی ہے۔ اگر تسلیم کرتی ہے تو کس حد تک۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے جن مقاصد کو جس حد تک شریعت تسلیم کرتی ہے ان کی تکمیل کے لئے حدود شریعت کے اندر رہ کر کیا کیا انتظامات کئے جاسکتے ہیں۔

ا۔ ناگہانی حادثات کے نقصانات کا سد باب

کسی ناگہانی نقصان کا پہلے سے اندازہ کرکے اس کا سد باب کرنا اور پہلے سے کوئی بندوبست کر کے رکھنا کہ اگر کوئی نقصان اچانک پیش آگیا یا کوئی ناگہانی حادثہ رونما ہوگیا تو ممکنہ مشکلات سے بچا جا سکے شرعاً نہ صرف یہ کہ ناجائز اور حرام نہیں ہے بلکہ پسندیدہ امر ہے۔ بعض حضرات نے غلطی سے توکل کے معنی یہ سمجھ لئے ہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور اپنی موجودہ یا آئندہ ضروریات کی تکمیل کے لئے نہ کوئی کوشش کرے اور نہ کوئی بندوبست کرے۔ یہ غلط تصور نہ صرف اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے بلکہ اس طرح کی تفسیر وتشریح لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ توکل کے معنی اسباب ووسائل کو ترک کرنا نہیں ہیں، بلکہ اسباب کو پورے طور پر بھرپور طریقہ سے اختیار کر کے نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دینے کو توکل کہتے ہیں۔

بعض حضرات اس طرح کے بندوبست کو تقدیر پر ایمان کے خلاف سمجھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اچھا یا برا جو بھی پیش آتا ہے وہ آکر رہے گا اس لئے پہلے سے بندوبست کرکے رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا سمجھنا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ناواقفیت کے مترادف ہے۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ تقدیر کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشادات سن کر جب بعض صحابہؓ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ پھر کچھ کرنے دھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ (علیہ السلام) کے نخلستانوں کی پیداوار جب فروخت ہوتی تھی تو آپ ﷺ اپنے اہل خاندان کے لئے آئندہ پورے سال کے اخراجات محفوظ کردیا کرتے تھے۔ (عن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر ویحبس لاھلہ قوت سنتھم (بخاری: النفقات، باب حبس الرجل قوت سنۃ علی اھلہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر والی کھجوریں فروخت کرکے اپنے اہل خانہ کے لئے ایک سال کی خوراک روک لیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے یہ حدیث نفقات کے عنوان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس باب میں دی ہے اس کا عنوان بھی یہی رکھا ہے کہ سال بھر کے لئے اہل وعیال کے اخراجات کا بندوبست۔

حضور علیہ السلام یہ انتظام صرف اس لئے فرماتے تھے کہ امت کو یہ عملی درس دینا مقصود تھا کہ اہل وعیال کے مستقبل کی فکر کرنا تقدس، دینداری اور توکل کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ ایک بار حضور علیہ السلام نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا؟ ان امرکن مما یھمنی من بعدی۔ (مشکوۃ ۵۶۷۲) یعنی مجھے اپنے بعد جن چیزوں کی فکر رہتی ہے ان میں سے ایک تم لوگوں (کے اخراجات وغیرہ) کا بندوبست بھی ہے۔

یہ نہ صرف ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کا طرز عمل تھا بلکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس معاملہ میں مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہؓ کا واقعہ قابل ذکر ہے جس کو امام بخاری اور کئی دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ اپنی پوری جائیداد کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں پوری نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ اچھا آدھی جائیداد صدقہ کردوں؟ آپ ﷺ نے آدھی کو بھی منع فرمایا۔ پھر انہوں نے گزارش کی اچھا! اگر اجازت ہو تو ایک تہائی صدقہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ایک تہائی کرسکتے ہو اور تہائی بھی زیادہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنے پیچھے اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کو دولت مند چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم ان کو دوسروں کا دست نگر کر کے چھوڑ جاؤ اور وہ ادھر ادھر سے مانگتے پھریں۔ (بخاری کتاب الوصایا)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ جائز کوشش مستحسن ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق ہو اور جس کا مقصد یہ ہو کہ رشتہ دار اور اہل خانہ معاشی طور پر خود کفیل رہیں اور کسی کے دست نگر نہ ہوں۔ گھر کا واحد کمانے والا فرد دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کے پسماندگان کی دیکھ بھال ہو سکے اور وہ در بدر ٹھوکریں کھاتے نہ پھریں۔

یوں بھی یہ ذمہ داری اسلامی ریاست کی ہے کہ وہ نادار متوفی کے نہ صرف پسماندگان اور یتیم بچوں اور بیوگان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کرے بلکہ اس کے ذمہ جس جس کا قرض واجب الادا ہو وہ بھی ادا کرے۔ صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، مسند امام احمد اور کئی دوسری مستند کتب حدیث میں اس مضمون کی احادیث موجود ہیں کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص

☆لا تقرا بعض الکتب التی تربی التشاؤم والاحباط والیاس والقنوط.☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نادار مر جائے اور کوئی بوجھ (مالی ذمہ داری) اور بے سہارا اھل وعیال چھوڑ جائے تو اس کے لئے مجھے (یعنی اسلامی حکومت کو) بلایا جائے۔ایک دوسری حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مرنے پر قرض چھوڑ جائے اور اس کی ادائیگی کا بندوبست نہ ہو تو اس قرض کی ادائیگی میرے (یعنی اسلامی حکومت کے) ذمہ ہے۔بعض دوسری روایات میں صراحت ہے کہ یہ ادائیگی حکومت کے ذمہ ہے۔ لہذا عام لوگوں کو اپنی کوششوں سے قطع نظر خود حکومت کو بھی ایسے ادارے قائم کرنے میں پیش قدمی کرنی چاہئے جہاں سے ایسی صورتوں میں غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔

۲۔ باا ثر ورثاء کے ظلم وتعدی سے تحفظ

بعض اوقات یہ صورتحال محض ایک خدشہ یا وھم ہی نہیں بلکہ ایک حقیقی خطرہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ایک شخص کے پاس یہ یقین کر لینے کے کافی مضبوط اسباب موجود ہوتے ہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے بعض باا ثر ورثاء اس کے نابالغ یتیم بچوں یا بے سہارا بیوہ کو ان کے جائز حق سے محروم کر کے خود ساری جائیداد پر قابض ہو جائیں گے اور ان کو بالکل بے سہارا چھوڑ دیں گے۔اس صورت میں وہ شخص بالکل حق بجانب ہوگا اگر وہ کوئی ایسا یقینی بندوبست کرنے کی کوشش کرے جس سے اس کے نابالغ پسماندگان اور بیوہ در بدر ٹھوکریں کھاتے نہ پھریں اور ان کی معاشی ضروریات گھر بیٹھے پوری ہوتی رہیں۔

وقف علی الاولاد کا نظام اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آیا تھا بلکہ اسلام نے وقف کی اس قسم کو دیگر اوقاف سے افضل اور زیادہ موجب اجر وثواب قرار دیا ہے۔اس لئے کہ اس میں وقف کے علاوہ جو صدقہ کی ایک قسم ہے صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے حقوق کی نگہداشت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے جو خود اپنی جگہ ایک نیکی ہے۔اس لئے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کے مطابق ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پہلے اپنے اہل خاندان کی ضروریات کی تکمیل کرے اور پھر دوسروں کے لئے صدقہ کرے۔ابدا بمن تعول، برصغیر کے مسلمانوں نے وقف علی الاولاد کے ادارہ کے تحفظ کے لئے بڑی کوششیں کی ہیں اور قدیم وجدید دونوں طبقات کے اہل علم نے مل کر انگریزی حکومت پر دباؤ ڈالا اور ۱۹۱۳ء میں قانون وقف علی الاولاد نافذ کرایا۔قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو اس وقت وائسرائے کی کونسل کے ایک نوجوان اور فعال رکن تھے،علماء کے مشورہ اور تعاون سے اس

☆تذکر ان ببابکم وایبو المغفرة بقبل التوبة ويعفو عن عباده ويبدل السيئات حسنات.☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون کے نفاذ کے لئے بڑی کوششیں کیں۔اس سلسلہ میں جس شخصیت کے تعاون کا انھوں نے کونسل میں اپنی تقریر میں بھی ذکر کیا وہ علامہ شبلی نعمانی تھے۔اس اعتبار سے وقف علی الاولاد کے ادارہ کا احیاء پاکستان کے مسلمانوں کی ایک طرح سے ملی ذمہ داری بھی ہے۔اس ادارہ کو دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق اس طرح از سرِ نو مرتب و منظم کیا جاسکتا ہے کہ یہ اسلامی قانون وقف کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بیمہ کے مقاصد بھی پورے کر دے۔

وقف علی الاولاد کی طرح ایک نیا ادارہ یا اس کی ایک شاخ وقف علی الاقارب بھی ہوسکتا ہے۔اس میں ایک شخص کے لئے یہ گنجائش ہوگی کہ وہ اپنے مرنے کے بعد اپنے بوڑھے ماں باپ یا بیوہ بہن، یتیم بھانجوں بھتیجوں وغیرہ کے لئے مناسب، معقول اور یقینی تحفظ کا بندوبست کر سکے۔

۳۔ممکنہ تاوان کی ادائیگی کا پیشگی انتظام

پہلے سے ایسا انتظام کرنا کہ اگر کوئی تاوان کی رقم سر پر آن پڑی تو اس کو بہ سہولت ادا کر دیں گے شرعاً" نہ صرف پسندیدہ امر ہے بلکہ خود سنت رسول ﷺ اور تعامل صحابہؓ میں اس کی بعض مثالیں اور نظائر بھی موجود ہیں۔مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جب آپ ﷺ نے اسلامی ریاست اور معاشرہ کی داغ بیل ڈالی اور اللہ رب العزت کے حکم سے ایک ایک کر کے اسلام کے احکام و قوانین کے نفاذ کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلے ایک تحریری دستور یعنی میثاق مدینہ مرتب فرمایا۔دنیا کے اس سب سے پہلے تحریری دستور میں تاریخ انسانیت کے مقننِ اعظم نے جو امور خاص اہمیت اور اہتمام کے ساتھ درج کئے ان میں یہ بات بھی شامل تھی "قریش سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین اپنے محلّہ پر ذمہ دار ہوں گے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو،، (دفعہ ۳) اس کے بعد دفعات ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ اور ۱۱ میں مدینہ کے ہر قبیلہ کا الگ الگ نام لے کر الگ الگ دفعات میں یہ صراحت کی گئی کہ وہ "اپنے محلّہ پر ذمہ دار ہوں گے اور وہ حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا،،۔

آگے چل کر دفعہ ۱۲ میں فرمایا گیا کہ' ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیئے بغیر نہ چھوڑیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو،،۔آگے بھی دیگر دفعات میں ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکام دیئے گئے ہیں جن کا مقصد کسی مصیبت اور مشکل کے وقت ایک دوسرے کی مدد اور نصرت سے ہے۔

سیرت پاک کی اس سے بڑی مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس امر کا پیشگی قانونی اور ریاستی انتظام کرنا کہ اگر کسی شخص پر اچانک کوئی مالی ذمہ داری یا تاوان آن پڑے تو اس کی ادائیگی کا جائز بندوبست موجود ہو، اسلامی ریاست کی اولین اور اساسی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

صدر اسلام میں یہ کام عاقلہ کے ادارہ سے لیا گیا جو ملت ابراہیمی کی باقیات صالحہ کے طور پر پہلے سے عرب میں موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ادارہ میں اصلاحات فرمائیں اور اس کو ملت ابراہیمی کے بہت سے احکام کی طرح شریعت اسلامیہ کا جزو قرار دیا۔ فقہ اسلامی کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان فقہاء اور دانشوروں نے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عاقلہ اور معاقل کے نظام کو وسعت دی اور اس کو نئی جہتیں بخشیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آج کل کے حالات اور دور جدید کے تجربات کی روشنی میں عاقلہ کے نظام کی تشکیل نو ضروری ہے تاکہ نہ صرف ہم ملت ابراہیمی اور شریعت محمدی کے ایک اصول کو زندہ کرنے کی سعادت حاصل کریں بلکہ عامۃ الناس کی ایک اہم معاشرتی اور اقتصادی ضرورت کو بھی پورا کریں۔

۴۔ آئندہ کی ضروریات کے لئے پیش بندی

آئندہ کی ضروریات، مستقبل کے ممکنہ وسائل کا پہلے سے احساس اور کسی اچانک صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مناسب رقم کا بندوبست کر کے رکھنا دانشمندی ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کا بھی تقاضا ہے۔ قرآن مجید میں یہ عمومی ہدایت موجود ہے کہ خرچ کرتے وقت نہ تو اتنے کھلے ہاتھ سے کام لو کہ ساری پونجی ایک ہی وقت میں نکل جائے اور نہ اتنا روک کر رکھو کہ جائز ضروریات بھی پوری نہ ہوں۔ ایک دوسری آیت مبارکہ میں اہل ایمان کی خصوصیات میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ ان کے اخراجات نہ فضول خرچی پر مبنی ہوتے ہیں اور نہ بخل اور کنجوسی پر، بلکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہوتے ہیں۔

کتاب الٰہی کی ان عمومی ہدایات سے یہ بات نکلتی ہے کہ اخراجات کے معاملہ میں معاشی منصوبہ بندی اور میانہ روی سے کام لینا چاہئے اور آئندہ کی ضروریات کی پیش بندی کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ پس انداز ضرور کرنا چاہئے۔ ان عمومی ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام

☆الا [illegible] او مبتلی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو جو تعلیم دی اس میں یہ بات زیادہ واضح طور پر سامنے آئی کہ آمدنی کا ایک حصہ آئندہ کی ضروریات کے لئے رکھنا چاہئے۔امام بخاری نے کتاب زکواۃ میں ایک باقاعدہ باب باندھا ہے جس کا عنوان ہی انہوں نے یہ رکھا ہے۔باب لاصدقة الاعن ظهر غني ۔یعنی باب اس امر کے بیان میں کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کو دینے کے بعد بھی دینے والے کے پاس اتنی رقم رہ جائے کہ وہ دوسروں سے مستغنی رہ سکے۔اس باب میں امام بخاری نے حضرت کعبؓ بن مالک کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب ان کی توبہ (غزوہ تبوک سے غیر حاضری کے بارہ میں) قبول ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اب میری مکمل توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے دست بردار ہوکراس کو اللہ اور رسول ﷺ کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کردوں۔اس پر سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''تم اپنے مال کا ایک حصہ اپنے پاس روک رکھو اس میں تمہارے لئے بہتری ہے،،اس پر میں نے عرض کیا اچھا پھر میں اپنا وہ حصہ روک رکھتا ہوں جو مجھے خیبر میں ملا تھا۔

اس سے ملتی جلتی ایک دوسری ہدایت امام مسلم نے حضرت جابرؓ کے حوالہ سے بیان کی ہے۔وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''تم لوگ اپنے مال ودولت کو روک کرر کھا کرو اور ان کو خراب مت کرو،،(صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب العمری کتاب الوصیہ)

شریعت کے ان واضح احکام کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسی ہر کوشش شرعاً پسندیدہ اور مستحسن ہے جس کا مقصد جائز طریقہ سے حدود شریعت کے اندر رہ کر لوگوں کی آئندہ ممکنہ ضروریات کی تکمیل کا پیشگی بندوبست کرنا ہو۔یہ چیز نہ تو توکل کے خلاف ہے، نہ تقدیر کے اور نہ شریعت نے اپنے ماننے والوں سے اس سے احتراز واجتناب کا مطالبہ کیا ہے۔

مروجہ انشورنس کا جائز متبادل

تکافل کی شرعی حیثیت

نئی کتاب: تصنیف ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ ......ناشر ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان ضروریات میں بعض تو ایسی ناگزیر ضروریات ہیں جو شرعاً بھی انسان کی بنیادی ضروریات تسلیم کی گئی ہیں۔ آج کے دور میں خاص طور پر بڑے شہروں میں اپنے ذاتی مکان کا حصول ایک بہت بڑا، مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ خاص طور پر ملازم پیشہ طبقہ کے لئے ذاتی رہائش کا بندوبست بعض صورتوں میں ایک خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سرکاری ملازمین کے طبقہ میں جن راستوں سے کرپشن، بدعنوانی اور رشوت خوری کے جراثیم کی آمدورفت شروع ہوتی ہے ان میں سے ایک ذاتی مکان کے حصول کی فطری خواہش اور جذبہ بھی ہے۔

آج ایک دیانت دار سرکاری ملازم، چاہے وہ حکومت پاکستان کے خزانہ سے دی جانے والی سب سے اعلیٰ تنخواہ اور سب سے اونچی مراعات جائز طور پر حاصل کر رہا ہو، ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی تنخواہ کی بچت وغیرہ سے اپنی مرضی کا مکان نہیں بنا سکتا۔ لہذا مکان جیسی بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لئے جسے خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے اور اسلامی حکومت کے سرکاری ملازمین کا حق بھی ٹھہرایا ہے، اگر کوئی شخص پیشگی بندوبست جائز طریقہ سے کرنا چاہے تو یہ شریعت ہی کے ایک حکم کی تکمیل ہوگی اور ایک مندوب و مستحب عمل ہوگا۔

اسی طرح ریٹائرمنٹ کے بعد اولاد کی شادی اور بچوں کی اعلیٰ تعلیم کی فکر انسان کو پریشان رکھتی ہے۔ ہمارے ملک میں بدقسمتی سے مختلف اسباب کی بناء پر جن میں سے ایک مغرب کی اندھی تقلید بھی ہے، بڑی عمر میں شادیوں کا رواج بڑھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب ایک شخص ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائر ہوتا ہے تو اس کے کئی نوجوان بیٹے اپنی تعلیم کے مختلف مراحل میں ہوتے ہیں، نوجوان بیٹیاں شادی کے انتظار میں بیٹھی ہوتی ہیں اور بعض صورتوں میں خود اس ریٹائر ہونے والے مظلوم کے اپنے بوڑھے والدین، اور بعض صورتوں میں بیوہ بہن وغیرہ بھی اس کے سہارے پر پڑے ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال اس کے لئے کسی حادثہ سے کم نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بااثر سرکاری ملازمین اپنی ملازمت کے آخری سالوں میں پرائیوٹ اداروں، کمپنیوں اور غیر ملکی فرموں سے ساز باز شروع کر دیتے ہیں اور ان کے لئے بعض ترجیحی مراعات کے عوض اپنے لئے بعد از ریٹائرمنٹ ملازمت حاصل کرتے ہیں۔ اس سارے عمل میں جو نقصان قوم کو، سرکاری خزانہ کو اور ملک وملت کے عزت ووقار کو پہنچتا ہے وہ ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جس سرکاری ملازم کو اس طرح کی مزید ملازمت ملنے کی توقع نہیں ہوتی وہ یا تو کسی نہ کسی قسم کی بدعنوانی کا شکار ہوتا ہے یا اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقدر کو روتا اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

ان سب چیزوں کا جواب یہی ہے کہ ایسا بندوبست کیا جائے کہ جب ایک سرکاری ملازم ریٹائر ہو یا کوئی بھی شخص عمر کی اس مقررہ حد کو پہنچے تو اس کو رہنے کے لئے مناسب مکان اور دیگر ضروریات کی تکمیل کے لئے مناسب رقم مل جائے۔

۵۔غیر متوقع تجارتی نقصان کی پیش بندی

اللہ رب العزت نے تجارت اور خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ربا اور سود کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔تجارت اور خرید وفروخت نہ صرف جائز اور حلال وطیب ذریعہ معاش ہے بلکہ اس کی فضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے بہت سے کبار صحابہ ؓ نے ،جن میں تمام عشرہ مبشرہ شامل ہیں،تجارت کو اپنے لئے ذریعہ معاش کے طور پر اختیار فرمایا۔

تجارت کی روح یہ ہے کہ نفع نقصان کا دارومدار انسان کی اپنی محنت ،صلاحیت اور کارگردگی کے بعد اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ پر ہوتا ہے۔جو شخص جتنی محنت کرے گا،جتنی عمدہ صلاحیت کا مظاہرہ کرے گا اور جتنی اعلی کارگردگی ظاہر کرے گا اتنا ہی نفع ہونے کی توقع بڑھتی چلی جائے گی۔اس سے کاروبار پھیلتا ہے۔معاشی سرگرمیاں بڑھتی ہیں۔دولت کا ارتکاز ختم ہوتا ہے اور معاشرہ کی اقتصادی زندگی میں جان پیدا ہوتی ہے۔اس کے برعکس سود کی بنیاد یہ ہے کہ سود خور بغیر اپنی کسی محنت اور کارگردگی اور صلاحیت کے محض اپنے روپیہ کے زور پر ایک طے شدہ اضافہ کی وصولیابی کو یقینی بناتا ہے،اسے نہ محنت سے دلچسپی ہوتی ہے نہ تجارتی سرگرمیوں کی کامیابی سے اور نہ اعلی کارگردگی سے۔اس کو صرف اپنا مقررہ حصہ وصول کرنے سے غرض ہوتی ہے،چاہے کسی کا کاروبار چمکے یا ناکام ہو۔

تجارت کی اس روح کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انسان حتی الامکان وہ تمام تدابیر اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کا نقصان کم سے کم اور نفع زیادہ سے زیادہ سے ہو۔اس معاملے میں شریعت نے انسان کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے نفع کو یقینی بنانے اور نقصان کو حتمی طور پر روکنے کے لئے جو جی چاہے کرے۔اگر ہر شخص کو ایسی کھلی چھٹی دے دی جائے تو اس کے وہی قبیح نتائج نکلتے ہیں جو سود،قمار اور جوئے کی صورتوں میں آج کل نکل رہے ہیں۔اس لئے شریعت نے انسان کے جذبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کومناسب حدود میں رکھنے کے لئے ضروری احکام دیئے ہیں اورتجارت ومعیشت کے میدان میں بہت سی چیزوں کوممنوع قراردے دیا ہے۔

تاہم جائزحدود کے اندراحکام شریعت کی رعایت کرتے ہوئے ایسی کوشش کی جاسکتی ہے جس کا مقصدتجارت میں نقصان کے امکانات کوکم سے کم کرنا ہواورنقصان کی صورت میں اس کی مناسب تلافی کا بندوبست کرنا ہو۔بعض اوقات مارکیٹ میں اچانک اتارچڑھاؤ آجاتا ہے جس کی وجہ سے ایک تاجرکوغیرمتوقع طورپرنقصان کا سامنا کرنا پڑجاتا ہے۔بعض اوقات کرنسی کی قیمتوں میں حکومتیں یکایک کمی بیشی کردیتی ہیں جس سے بعض اوقات اچانک ایک شخص کی نقدرقم آدھی یاتہائی ہوجاتی ہے اوراس کا کاروباریکایک بیٹھ جاتا ہے۔اس طرح کی صورتوں سے نپٹنے کے لئے حدودشریعت کے اندررہ کرکوئی انتظام کرنا بہت مفیداورشرعاپسندیدہ ہوگاجس کے ذریعے تاجراورکاروباری حضرات کواس نقصان کا سامنا کرنے میں مدد ملے۔

۶۔سرمایہ میں اضافہ

مذکورہ بالامقاصد کے علاوہ دورجدید میں بیمہ خودایک کاروباربھی بن گیا ہے بیمہ کا آغازتوشروع میں تجارتی نقصانات کوپوراکرنے کی ایک تدبیر کے طورپرہواتھالیکن جیسے جیسے یہ کام بڑھتا گیااس کی نئی نئی شکلیں نکلتی گئیں اوربہت سے تاجروں اورکاروباری اداروں نے خودبیمہ کوایک کاروبارکی شکل دے دی۔اب اس میں بہت سے لوگ اس غرض سے بھی روپیہ لگاتے ہیں کہ ان کے سرمایہ میں اضافہ ہواورایک مقررہ مدت تک قسطیں دینے کے بعدجب یک مشت رقم وصول کرنے کا مرحلہ آئے توان کواصل سرمایہ سے زائدبھی کچھ رقم مل جائے۔

یہ بات فی نفسہ بری نہیں ہے بلکہ انسانی مزاج کا تقاضااوراس کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے مال ودولت میں اضافہ چاہتا ہے۔یہ جذبہ شریعت کی نظرمیں قابل اعتراض اس وقت بنتا ہے جب اس کا اظہارخلاف شریعت صورتوں میں ہو۔لیکن اگرکوئی شخص جائزاورحلال صورتوں سے اپنے سرمایہ میں اضافہ کرتا ہے اورتجارت کے شرعی احکام کالحاظ کرتے ہوئے ایسا بندوبست کرتا ہے کہ اس کی پس اندازشدہ رقم مع نفع کے اس کو ملے توایسا کرنا نہ صرف جائزبلکہ حلال وطیب اورمستحسن ہے۔

۷۔سرمایہ کاتحفظ

© rasailojaraid.com

☆کرر: لاحول ولاقوۃ الاباللہ ...... وترضی ذا الجلال ☆

© rasailojaraid.com

اپنی جائیداداور مال ودولت کاتحفظ انسان کافطری جذبہ ہے۔ ہر شخص چاہتاہے کہ اس کی جائیداد محفوظ رہے۔اس کامال بھی باقی رہے اوراس کی مالیت ،قدروقیمت اور مانگ میں کمی نہ آئے ۔اس جذبہ کوشریعت بھی تسلیم کرتی ہے اوراس نے اس جذبہ کی تکمیل کے لئے ہدایات بھی دی ہیں اور بعض معقول قیوداور مناسب بندشیں بھی عائد کی ہیں۔

سرمایہ کے اپنے تحفظ کے ساتھ ساتھ آج کل اس کی قدروقیمت اور مالیت کے تحفظ نے بھی بڑی اہمیت اختیارکرلی ہے ۔ممالک ،بالخصوص ترقی پذیراورپس ماندہ مسلم ممالک کی کرنسیوں کی قیمت روز بروزمختلف قسم کے معاشی دباؤاور مجبوریوں کے نتیجہ میں گھٹ رہی ہے ۔آج ایک شخص خون پسینہ کی کمائی سے دس ہزارروپیہ بچاکررکھتاہے کہ آگے چل کرکام آئے گا۔لیکن جب وہ مرحلہ آتاہے جس کے پیش نظر دس ہزارروپیہ پس اندازکیاتھاتواس کی قیمت گھٹ کرپانچ ہزارہوچکی ہوتی ہے اور قیمتوں کی سطح دس ہزار سے بڑھ کربیس ہزار تک جاچکی ہوتی ہے اس طرح اس کادس ہزارروپیہ ڈھائی ہزارمیں تبدیل ہوچکاہوتاہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑاحقیقی اورواقعی مسئلہ ہے جس سے صرف نظرکرکے کوئی معاشی اصلاح نہیں ہوسکتی۔یہ توقع کرناکہ لوگ اس مسئلہ کانوٹس نہ لیں گے اور خودکوحالات کے بہاؤمیں بہتے رہنے کے لئے چھوڑدیں گے،حقائق کامنہ چڑھانے کے مترادف ہے۔آج ہر شخص اپنے سرمایہ کے ساتھ ساتھ اس کی مالیت کاتحفظ بھی چاہتاہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قوم کوکوئی ایساقابل عمل نظام دیں جوشریعت کے احکام سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی حقیقی ضروریات کی تکمیل بھی کرے کہ ان کاسرمایہ محفوظ رہے اوراس کوقدروقیمت اور مالیت میں کمی کے اقتصادی اثرات سے بچایاجاسکے۔............... (جاری ہے)

نئی کتاب ....ایک طالب علم کی

سفری یادداشتیں

نوراحمد شاہتاز

ناشر:اسکالرز اکیڈمی کراچی......ہراچھے بکسٹال پردستیاب ہے۔

☆اکثر من الا[illegible] العلم [illegible] المطایا.☆

© rasailojaraid.com